مولانا عبدالمجید سالک

ہند کے مسلمان فاتحوں کی فوجی برتری

جہد و عمل کے میدان میں کسی فرد یا گروہ کی کامیابی یا ناکامی کے عوامل دو ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ روحانی اور مادی۔ اگر یہ اندازہ کرنا مقصود ہو۔ کہ کروڑوں انسانوں کا یہ ملک یعنی ہندوستان اپنی دولت و وسعت کے باوجود چند ہزار یا ایک آدھ لاکھ کے مسلمان لشکروں کے مقابلے میں اتنا عاجز کیوں ہو گیا اور صدہا میل سے سر بفلک پہاڑوں گنجان جنگلوں اور کف دست ریگستانوں کو طے کر کے آنے والے پردیسیوں نے اس اجنبی ملک میں آکر میدان میں فتح مبین کیوں حاصل کی۔ تو اس کے لئے ہندوؤں کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامیابی کے روحانی و مادی عوامل کا جائزہ لینا ضروری ہوگا۔

ہندوستان کا خلاف مسلمانوں کا اتحاد

جس زمانے میں مسلمان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ہندوستان بے شمار راجپوت ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جو آپس میں ہمیشہ مصروف پیکار رہتی تھیں۔ اور پوری قوم ایک دوسرے پر اعتماد یا مقاصد کے لئے اتحاد کی اہلیت سے محروم ہو چکی تھی۔ ذات پات اور نسل و قوم کے تنوع کے علاوہ مذہبی دنیا میں بھی طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اور پشاور سے لے کر راس کماری تک بیسیوں مذاہب باہم مناظرات میں اور اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف تھے۔ غرض ہندوستان مذہب۔ قوم۔ نسل و معاشرت۔ سیاست کی گوناگوں تقسیمات کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمان جو باہر سے آئے۔ نسلوں اور قوموں کے تنوع کے باوجود بنیان مرصوص کا حکم رکھتے تھے۔ اگر ان کے تفصیلی عقائد میں کسی قدر اختلاف بھی تھا تو اسلامی طور پر وہ سب کے سب خدائے واحد کے پرستار تھے اور ایک ہی ہادی کے پیرو تھے۔ ان کا مذہب اوہام پرستی ضعیف الاعتقادی اور ذات پات کی تفریق سے بالکل پاک تھا۔ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور اس مقصد مقدس کی تکمیل کے لئے اپنی جانیں دے دینے کا ذوق و شوق ان کی زندگیوں میں تازگی اور ان کے ولولوں میں حرارت پیدا کئے ہوئے تھا۔ ظاہر ہے۔ کہ روحانی اعتبار سے وہ ہندوؤں کے مقابلے میں واضح فوقیت رکھتے تھے۔ اور یہی وہ فوقیت تھی جس کی بنا پر انہوں نے اس عظیم الشان ملک کی فوجی طاقت کو للکارا تھا۔ حالانکہ اس کی دولت اور قوت دنیا بھر میں ضرب المثل بن چکی تھی۔

جدید ترین سامان حرب

مادی اعتبار سے ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمان نادار تھے۔ کیونکہ کہاں ہندوستان سونے کی کان اور کہاں پہاڑوں کے بے سروسامان ترک اور افغان۔ ہندوؤں کی فوجوں کے لئے سامان رسد اور بہیر و بنگاہ کا انتظام بے حد آسان تھا۔ کیونکہ وہ اس ملک کے مالک تھے۔ اس کے تمام ذرائع و وسائل ان کی خدمت کے لئے مہیا تھے اور کروڑوں روپیہ ان کے پاس تھا۔ ان کے مقابلے میں مسلمان فوجیں کتنا سامان۔ کس قدر

اور کتنی مقدار میں اسلحہ اور کتنا روپیہ اپنے ساتھ لا سکتی تھیں۔ اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور تھی۔ کہ اُموی اور عباسی خلافتیں دنیا کی بلند پایہ حکومتوں میں شامل ہونے کی وجہ سے اس زمانے کے جدید جنگی ساز و سامان مہیا کر سکتی تھیں اور انہی سے افغانوں اور ترکوں نے بھی سبق حاصل کیا تھا۔ اور ان کے مقابلے میں ہندو اپنے ملک کی حدود کے اندر کنوئیں کے مینڈک بنے ہوئے صرف تیر و شمشیر، نیزوں اور بھالوں اور زیادہ سے زیادہ ہاتھیوں پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ محمد بن قاسم سے لے کر بابر تک سب کی فوجوں کے ساتھ منجنیقیں بھی تھیں۔ عرادے بھی تھے دبابے بھی تھے۔ روغن نفت کے گولے بھی تھے۔ آتشیں تیر بھی تھے۔ بلکہ بابر کے ساتھ تو توپ خانہ بھی تھا۔ اور بندوق باز مجاہدین بھی تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی جنگی تکنیک بھی بے شمار میدانوں کی مجرب اور آزمودہ تھی۔ اور ان تمام جدید خصوصیات سے ہندو بالکل محروم تھے۔ راجپوتوں کی جرأت و شجاعت مسلّم سہی لیکن اس پر قدامت اور بربریت کا رنگ غالب تھا۔ مسلمانوں کی تازہ دم قوت کا مقابلہ ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ ذیل میں ہم ان جنگوں کی بعض خصوصیات واضح کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں مسلمانوں نے اپنی قلت اور ہندوؤں کی کثرتِ تعداد کے باوجود فتح و ظفر کے پھریرے اُڑائے۔

دیبل کی لڑائی یہ معلوم ہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ صرف بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ جن میں سے چھ ہزار شامی گھوڑسوار اور چھ ہزار عراقی شتر سوار تھے۔ جب وہ دیبل پہنچا تو سندھیوں کی پوری فوجی قوت اس کے مقابلے کے لئے موجود تھی۔ محمد بن قاسم کے آدمیوں نے شہر کے پاس خندقیں کھود دیں اور ان کے دفاع کے لئے نیزہ برداروں کے دستے متعین کئے۔ جو اپنے اپنے جھنڈے اُٹھائے اپنے اپنے مقام پر متمکن ہو گئے۔ چونکہ سندھیوں میں یہ عقیدہ عام تھا۔ کہ دیبل کے مندر کا دیوتا ان حملہ آوروں کو تہس نہس کر دے گا۔ اس لئے محمد بن قاسم نے اپنی مشہور منجنیق نصب کرائی۔ جس کو عروس کہتے تھے۔ اور جس کو کھینچنے پر پانسو آدمی متعین تھے۔ منجنیق استعمال کرنے والے نے دیبل کے مندر کے جھنڈے کو تاکا۔ اور اس پر منجنیق سے ایسا پتھر مارا کہ جھنڈا ٹوٹ کر گر پڑا۔ بلکہ مندر کے کلس کو بھی نقصان پہنچا۔ یہ دیکھ کر دیبل کے عام باشندوں پر ہیبت چھا گئی۔ اور سندھی فوج نے باہر نکل کر عربوں کا جان توڑ مقابلہ کیا۔ لیکن جب روحانی اعتبار سے شکست مکمل ہو چکی ہو۔ اور حوصلے جواب دے چکے ہوں۔ تو مقابلہ فائدہ نہیں دیتا۔ چنانچہ چند گھنٹے میں سندھیوں نے شکست فاش کھائی۔ اور محمد بن قاسم نے دیبل پر قبضہ کر لیا۔[1]

داہر سے جنگ پھر جب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ دریائے سندھ کو عبور کر کے داہر سے فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ تو ہندوؤں کو یقین تھا کہ عرب دریا کو عبور نہ کر سکیں گے۔ اور اگر بفرضِ محال وہ اس مشکل کو حل کر گئے۔ تو لڑائی میں دریا ان کی پشت پر ہو گا اور وہ شکست کے بعد بھاگ کر کسی طرف جا نہ سکیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ سندھ جیسے دریا کو عبور کرنا آسان کام نہ تھا لیکن محمد بن قاسم کو تجویز سوجھ گئی۔ اس نے بہت سی کشتیاں جمع کرائیں

---

[1] چچ نامہ

پھر انہیں لمبان میں ایک دوسری کے ساتھ رسوں سے بندھوایا۔ جب دیکھا کہ کشتیوں کا یہ زنجیرہ دریا کے پاٹ کے برابر ہوگیا ہے تو اس کا ایک سرا مغربی کنارے پر خوب مضبوطی سے بندھوا دیا۔ کشتیوں میں بڑے ماہر تیر اندازوں کو بٹھایا اور پل کے دوسرے سرے کو دریا میں دھکیل دیا۔ جب یہ زنجیر دریا کی رَو کے زور سے بڑھا تو اُس کا دوسرا سرا مشرقی کنارے پر جا لگا۔ آدمیوں نے فی الفور اُتر کر اس سرے کو بھی کنارے کے ساتھ باندھ دیا۔ آس پاس تیر انداز مورچے جما کر بیٹھ گئے اور عربوں کی پوری فوج کشتیوں کے پل سے گذر کر پار ہوگئی۔[1]

اس وقت محمد بن قاسم کے پاس ایک تو اپنے بارہ ہزار عراقی و شامی تھے۔ ان کے علاوہ ایک ہندو سردار بھی تین ہزار آدمی ساتھ لے کر آملا تھا۔ اس پندرہ ہزار کے مقابلے میں داہر کی فوج میں ساٹھ ہزار سپاہی اور ایک سو جنگی ہاتھی تھے۔ اور اپنے ملک کے وسائل بھی قبضے میں تھے۔ البتہ محمد بن قاسم کے لشکر میں نوسو نفت انداز موجود تھے۔ جو آتش ریز تیر پھینک کر آگ لگا سکتے تھے۔ بہت گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آخر جب داہر نے اپنا ہاتھی عرب لشکر کی طرف بڑھایا تو ایک نفت انداز نے اس کے ہودے پر تاک کر ایسا تیر مارا کہ ہودے میں آگ لگ گئی۔ ہاتھی گھبرا کر پاس کی جھیل میں گھس گیا۔ داہر نے ہاتھی سے اُتر کر لڑنا شروع کیا اور مارا گیا۔ اس کی فوج ہزاروں نعشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اور سندھ عربوں کے زیر نگین ہو گیا۔

جنگِ لمغان سبکتگین اور محمود نے ہندوؤں سے جتنی لڑائیاں لڑیں۔ ان سب میں فتح پائی اور عمر بھر کبھی شکست کا منہ نہ دیکھا۔ لطف یہ ہے کہ ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کی جمعیت ہندوؤں کے مقابلے میں بے حقیقت ہوتی تھی۔ مثلاً جنگ لمغان میں جہاں سبکتگین کا مقابلہ کرنے کے لئے جے پال ہندوستان بھر کے راجپوت راجاؤں کی متحدہ فوج لے کر آیا تھا۔ سبکتگین کی فوج ساٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اور جے پال کے ساتھ تین لاکھ جرار لشکر اور بے شمار جنگی ہاتھی تھے۔[2] جب سبکتگین نے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر جے پال کے لشکر کا معائنہ کیا۔ اور اس کی کثرت کو دیکھا۔ تو اپنے دل کو قوی کر کے یہ تصور کیا کہ باز کو کلنگوں کی کثرت اور قصاب کو گوسفندوں کی کثرت سے خوف نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا مجھے بھی ہندوؤں کی کثرت سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہنگامۂ حرب و ضرب برپا ہوا تو مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ اور جے پال کا لشکر تتر بتر ہو کر بھاگ گیا۔

جنگِ پشاور پھر جب سبکتگین کے انتقال کے بعد جے پال نے پھر عزم جنگ کر کے پشاور کے پاس ڈیرے ڈالے۔ اور ادھر سے محمود غزنوی بھی وہاں پہنچا تو فرشتہ کا بیان ہے۔ کہ اس وقت جے پال کے ساتھ بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادے تھے۔ نظام الدین ہروی نے "طبقات" میں سواروں کی تعداد دس ہزار بتائی ہے۔ اور پیادوں کے لئے لفظ "بسیار" استعمال کیا ہے۔ روسی میجر جنرل سیولوف نے اپنی کتاب میں جے پال کے پیادوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بتائی ہے۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی متعدد مؤرخین کے بیانات کا موازنہ کرنے کے بعد یہ رائے دیتے ہیں۔ کہ جے پال کے

---

[1] چچ نامہ [2] زینت التواریخ اور تاریخ ملکم صاحب

کے ساتھ اس جنگ میں جو جمعیت تھی۔ وہ چالیس ہزار سپاہیوں اور تین سو ہاتھیوں سے ہرگز کم نہ تھی۔ اس کے مقابلے میں محمود کی فوج کو سب مورخین یک زبان ہو کر صرف دس ہزار بتلاتے ہیں جن میں سوار اور پیادے سب شامل تھے۔ تعداد کے اس واضح تفاوت کے باوجود محمود پر کوئی گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی۔ لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جے پال کی فوج پندرہ ہزار نعشیں چھوڑ کر بھاگی۔ اور جے پال اور اس کے پندرہ بڑے بڑے سردار محمودی فوج کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔

دوسری جنگ پشاور اس کے بعد جب انندپال نے غداری کی۔ اور داؤد قرمطی کے ساتھ سازباز بھی کر لیا، تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ محمود ضرور مجھ سے انتقام لینے کے لئے پنجاب پر حملہ آور ہو گا۔ چنانچہ اس نے عزم کر لیا کہ بطور پیش بندی ایسی تیاری کی جانے کہ سارا ہندوستان متحد ہو کر محمود غزنوی کی قوت کو ختم کر دے چنانچہ اس نے ہندوستان بھر کے چھوٹے بڑے راجاؤں کے پاس قاصد بھیجے اور برہمنوں کی مدد سے ملک بھر میں جنگ کے لئے اس قدر جوش و خروش پیدا کر دیا۔ کہ غریب عورتوں نے چرخے کات کات کر بھی جو پیسہ پیدا کیا۔ وہ بھی سرمایۂ جنگ میں دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑا لشکر فراہم ہو گیا جس کے متعلق مؤرخین کا بیان یہ ہے کہ اس سے قبل ہندوستان کی اتنی بڑی فوجی جمعیت کسی میدان میں فراہم نہ ہوئی تھی یعنی ہندو لشکر کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچ گئی جس کے ساتھ صدہا ہاتھی بھی تھے۔ بلاشبہ محمود کو اس جم غفیر سے اپنی قلیل فوج کا مقابلہ کرنے پر پریشانی ہوئی۔ لیکن اس نے عزم کر لیا کہ فتح ہو یا موت پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دونوں لشکر چالیس روز تک ایک دوسرے کے سامنے ڈیرے ڈالے پڑے رہے، محمودی لشکر تو اس لئے حملہ کرنے میں متامل سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی قوت کم تھی۔ لیکن ہندو محض اس لئے رکے رہے کہ خدا جانے کیا صورت پیش آئے۔ اس لئے مزید فوجوں کا انتظار کر لینا چاہیئے۔ آخر چالیس دن کے بعد محمود نے سبقت کی اور ایک ہزار تیر اندازوں کو حکم دیا کہ ہندو فوج پر تیر اندازی کرتے ہوئے پیچھے ہٹتے آئیں۔ تاآنکہ ہندو محمودی خندق کے پاس آ جائیں اور مسلمان فوج زیادہ کامیابی سے ان کا مقابلہ کر سکے تفصیل کی نہ گنجائش ہے، نہ ضرورت۔ حاصل کلام یہ کہ انندپال میدان جنگ سے منہ موڑ کر بھاگ گیا۔ ہندوؤں کی متحدہ فوج چاروں طرف منتشر ہو گئی۔ اور اس شکست فاش سے ہندوستان بھر کے راجپوت راجاؤں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔

کالنجر کی لڑائی کالنجر کی لڑائی کے متعلق بھی مورخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود کے ہمراہ بہت قلیل فوج تھی۔ جو دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار میں مشکل ہی سے کام دے سکتی تھی۔ لیکن نندا چھتیس ہزار سوار۔ پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی لئے کھڑا تھا۔ محمود نے جب غنیم کی یہ جمعیت دیکھی۔ تو قلیل فوج ساتھ لانے پر پشیمان ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ سے نصرت کی دعا مانگی۔ رات لشکر نے آرام کیا۔ صبح اٹھ کر سنا کہ رات نندا کے دل پر جنود حق کا کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ سب ساز و سامان وہیں چھوڑ کر اور اپنی جان بچا کر صبح ہونے سے پہلے ہی فرار ہو گیا سلطان کی فوج کو دوسرے مال غنیمت کے علاوہ پانسو اسی جنگی ہاتھی بھی ہاتھ آئے۔

جنگ ترائن

ترائن کی دوسری جنگ کے موقع پر بھی پرتھی راج نے محمد غوری کا مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے استمداد کی چنانچہ فرشتہ کے قول کے مطابق ڈیڑھ سو راجا بذات خود اپنے لشکروں سمیت میدان جنگ میں موجود تھے۔ دونوں لشکر ترائن کے میدان میں ایک دوسرے کے درمیان چند کوس کا فاصلہ اور سرستی ندی کو حائل رکھ کر صف آرا ہوئیں۔ طبقات ناصری کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی فوج کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ منتخب التواریخ نے بتایا ہے کہ ان میں اسی ہزار پیادے اور چالیس ہزار سوار تھے۔ پرتھی راج کے ساتھ جو لشکر تھا اس کی تعداد تاریخ فرشتہ میں اور دوسری تواریخ میں۔ تین لاکھ سوار اور تین ہزار سے زیادہ جنگی ہاتھی لکھی ہے۔ اور پیادوں کی تعداد کے متعلق "لاتعداد" اور بے قیاس کے الفاظ لکھے ہیں،

مسلمانوں کا اسلوب جنگ

اس سے قبل بھی سبکتگین اور محمود کا انداز پیکار یہی رہا۔ کہ وہ میمنہ اور میسرہ کو ہندوؤں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیتے تھے۔ اور خود دس بارہ ہزار تازہ دم فوج کو ساتھ لئے میدان جنگ سے دور منتظر رہتے تھے۔ جب ہندو لشکر لڑ لڑ کر تھک جاتا تھا۔ تو دفعتاً اس محفوظ فوج کو لے کر تھکے ہوئے ہندو سپاہیوں پر بجلی کی طرح جا پڑتے تھے۔ اور یہی حملہ فیصلہ کن ثابت ہوتا تھا۔ یہی کیفیت ترائن کی دوسری جنگ میں پیش آئی۔ محمد غوری نے رات کے وقت اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے میں ایک ایک تجربہ کار افسر مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ پہلے ایک سردار حملہ کرے۔ اور دوسرے اپنی اپنی جگہ چپ چاپ تماشہ دیکھتے رہیں۔ جب لڑائی کا جوش و خروش کمال کو پہنچ جائے تو جو سردار مصروف جنگ ہو۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ اس طرح پیچھے ہٹنا شروع کرے۔ کہ دشمن فوج کو اپنی فتح کا یقین ہو جائے۔ اور وہ زیادہ دلیر ہو کر پیچھے ہٹنے والوں کا پیچھا کرے۔ اسی حالت میں دوسرا سردار اپنی تازہ دم فوج لے کر حملہ کرے۔ تاکہ ہندو اس کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ بھی پہلے سردار ہی کی طرح کچھ دیر لڑنے کے بعد پیچھے ہٹنا شروع کرے۔ اسی طرح چاروں سردار باری باری لڑیں۔ اور دوسرے رفیقوں کو سستانے کا موقع دے دیں۔ بارہ ہزار منتخب شہسواروں کو الگ کر کے سلطان نے اپنے زیر کمان رکھا۔ جب چاروں سردار لڑ چکے اور ہندو لشکر ادھر ادھر منتشر ہونے لگا تو سلطان اپنے بارہ ہزار سواروں کو لے کر ہندو لشکر کے قلب پر حملہ آور ہوا جہاں پرتھی راج اور اس کے ڈیڑھ سو راجا اور بے شمار چنے ہوئے سورما جمع تھے۔ یہ لوگ ناگہانی آفت سے اس قدر گھبرائے۔ کہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ پرتھی راج بھی بھاگا۔ لیکن تعاقب کرنے والوں نے اس کی شمع حیات کو گل کر دیا

فتح بنگال

ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی اس قدر ہیبت چھا گئی تھی۔ کہ محض ان کے آجانے کی خبر ہی سے غنیم راہ فرار اختیار کر لیتا تھا۔ جب محمد بختیار خلجی نے ملک بہار کے سب سے زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعے پر حملہ کیا ہے۔ تو اس کے ساتھ صرف دو سو سپاہی تھے۔ فتح بہار کے بعد محمد بختیار خلجی بنگال کی طرف متوجہ ہوا جس کا صدر مقام اس زمانے میں ندیا تھا۔ جب وہ ندیا کے قریب پہنچا۔ تو اس نے اپنی فوج کو تو پیچھے چھوڑا

اور صرف اٹھارہ آدمیوں کے ساتھ شہر ندیا میں داخل ہوا۔ جب یہ لوگ راجا لکشمن سین کے محل سرائے کے دروازے پر پہنچے اور دربانوں نے مزاحمت کی تو ان کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ لکشمن سین اس وقت کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ شور و غل کی آواز سن کر اُسے معلوم ہوا کہ مسلمان آگئے۔ یہ سنتے ہی راجہ حواس باختہ ہو کر ننگے پاؤں سرنگ کے راستے سے بھاگا۔ اور اڑیسہ پہنچ کر وہاں کے ایک مندر میں پناہ گزیں ہوا۔ بس اس واقعہ کے بعد بنگال پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور یہ قبضہ غالباً پوری تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔

پانی پت کی پہلی لڑائی

اگرچہ افغان اس سے پہلے متعدد میدانوں میں داد شجاعت دے چکے تھے۔ اور ہندوؤں کے بڑے بڑے لشکروں کو نیچا دکھا چکے تھے۔ لیکن دو تین صدیوں تک ہندوستان میں رہ کر ایک تو ان میں وہ پہلی سی بات نہ رہی تھی۔ دوسرے وہ جدید ترین آلاتِ جنگ بھی مہیا نہ کر سکے تھے۔ چنانچہ وہ مغل فوجوں کا کامیاب مقابلہ نہ کر سکے۔ جب بابر کو معلوم ہوا کہ افغانوں کے لشکر کی تعداد مغلوں کی فوج سے بہت زیادہ ہے تو اس نے سمجھ لیا۔ کہ ان کو صرف اعلیٰ درجے کے قواعد داں رسالے اور نئے توپ خانے ہی کی مدد سے شکست دی جا سکتی ہے۔ بابر کے توپ خانے کے بڑے جرنیل دو تھے۔ استاد علی اور مصطفیٰ۔ بابر نے ان کے مشورے سے سات سو توپ بردار چھکڑوں کو چمڑے کے مضبوط تسموں سے ایک دوسرے کے ساتھ باندھا۔ اور ہر دو چھکڑوں کے درمیان "تورے" تیار کئے تاکہ اس مضبوط دیوار کی وجہ سے توپچی اور گولہ انداز محفوظ رہیں۔ یہ استحکام محاذ جنگ کے اس حصے میں کیا گیا جس پر استاد علی اور مصطفیٰ مامور ہونے والے تھے۱۔

پانی پت پہنچ کر توپ خانہ قائم کر دیا گیا۔ دائیں ہاتھ پانی پت کا قصبہ تھا۔ اور بائیں طرف خندقیں کھود کر اور درختوں کو کاٹ کاٹ کر ان کے تنوں اور شاخوں کو ناقابل نفوذ دیوار بنا دیا گیا۔ غرض بابر اور اس کے جرنیلوں نے اس کھلے میدان میں اپنے لئے ایک قلعہ قائم کر لیا تھا۔ جہاں سے وہ دشمن پر جانفرسا حملے کر سکتے تھے۔ بابر لکھتا ہے کہ ابراہیم لودی اگر کنجوسی سے کام نہ لیتا تو بہت ہی بڑا لشکر فراہم کر سکتا تھا۔ کیونکہ ہندوستان میں "بھاڑے کے" سپاہی آسانی سے مل سکتے ہیں افغانوں کا لشکر کمزور تھا۔ اس لئے کہ اس کے سپاہی زیادہ تر "بھاڑے کے" تھے۔ علاوہ بریں ابراہیم خود ناتجربہ کار تھا۔ اس کا کوچ اور مقام نظم و ترتیب سے بالکل خالی تھا۔ اور وہ عاقبت اندیشی کے بغیر مصروف جنگ ہو گیا تھا۔

آٹھ دن تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑے رہے۔ اور کسی نے سبقت نہ کی۔ آخر بابر کا جام شکیب لبریز ہو گیا۔ اس نے میمنہ، میسرہ اور قلب کو قائم کیا۔ اور دائیں اور بائیں قدر قدر منگولوں کے دستے متعین کئے تاکہ "تولغمہ" کے اسلوب سے حملہ کریں۔ یہ منگولوں کی ایک مشہور جنگی چال تھی۔ جو ہمیشہ دشمن کے لئے مہلک ثابت ہوتی تھی۔ غرض پوری جنگ بابر کے پروگرام کے مطابق لڑی گئی۔ توپ خانے نے لودی کی فوج پر موت کا مینہ برسایا۔ اور تیر و شمشیر نے اپنا کام کر ہی دیا تھے

---

۱ تزک بابری

چند گھنٹوں میں ابراہیم لودی مارا گیا۔ اور ہندوستان میں اقبالِ بابری کے جھنڈے گڑ گئے۔

اب اس جنگ کا حال سنیئے۔ جو کنواہہ کے مقام پر ہوئی۔ اور جس میں راجپوتوں کی فوجی طاقت پر وہ کاری ضرب لگائی گئی جس سے اس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ رانا سانگا کے جھنڈے تلے بڑے بڑے راجپوت راجا ہزاروں کے لشکر لے کر جمع ہوئے جن کی مجموعی تعداد بابر کے بیان کے مطابق دو لاکھ ایک ہزار تھی۔ صاحب طبقات اکبری نے اصل لڑنے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سوار بتائی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ باقی پیادہ فوج ہوگی۔ بابر کی فوج اس کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی۔ اس نے حسب معمول میمنہ۔ میسرہ اور قلب کو قائم کیا۔ میمنہ ہمایوں کے سپرد ہوا۔ اور میسرہ پر سید مہدی خواجہ مامور کیا گیا۔ قلب کی سرداری خود بابر نے اپنے ہاتھ میں لی۔ اور دائیں بائیں تولغمہ کے لشکر قائم کئے۔ تاکہ عین لڑائی کی شدت کے وقت غنیم کے پہلو اور عقب پر حملہ کریں توپچی اور بندوق باز اسی طریقے سے چھکڑوں اور مورچوں کے زنجیرے کے پیچھے رکھے گئے اور استاد علی کو حکم دیا گیا۔ کہ اپنے پورے تباہ کن ساز و سامان کے ساتھ قلب کے آگے متمکن ہو لے۔

صبح ساڑھے نو بجے جنگ شروع ہوئی۔ اور شام کے وقت تک راجپوتوں کے متحدہ لشکر کی شکست مکمل ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے راجا ہلاک ہو گئے تھے۔ اور رانا سانگا بھاگ کر کسی پہاڑی قلعے میں دبک چکا تھا۔

ان تفصیلات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے۔ کہ جن لوگوں نے ہندوستان کی فوجی طاقت کو تہس نہس کر دیا۔ وہ وحشی اور لٹیرے نہ تھے۔ بلکہ نہایت بلند حوصلہ۔ شجاع۔ قواعد دان۔ اعلیٰ درجے کے ساز و سامان رکھنے والے اور جنگی سائنس کے ماہر واقع ہوئے تھے۔ اور ہندوستانیوں میں یہ خوبیاں اس درجے کی نہ تھیں۔ کہ وہ میدان جنگ میں ان سے عہدہ برآ ہو سکتے۔ ترک افغان اور مغل مسلمان تھے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے جوش نے ان میں قوتِ ایمانی کی بجلیاں بھر دی تھیں۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو مغلوب نہ کر سکتی تھی۔ یہی وہ فوجی برتری تھی جس نے مسلمانوں کو ایک ہزار سال تک یہ توفیق بخشی کہ وہ کروڑوں کی آبادی کے ملک پر نہایت کامیاب حکمرانی کرتے رہے لیکن جونہی ضعفِ ایمان نے ان کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور ان کی فوجی طاقت بھی اغیار کے مقابلے میں حقیر ہو گئی۔ تو اقتدار ان کے قبضے سے نکل گیا۔ اور وہ دوسروں کے محکوم بن گئے۔

اسلام اور رواداری

مصنفہ رئیس احمد جعفری ندوی

قیمت چھ روپے

افکارِ ابنِ خلدون

مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی

قیمت:- تین روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:- ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲- کلب روڈ- لاہور